ضیاء جالندھری کی شاعری میں بصری پیکر تراشی

منیر الاسلام☆

Muneer-ul-Islam

ڈاکٹر نذر عابد☆☆

Dr. Nazar Abid

Abstract:

Poetic imagery is an effective tool to draw readers into sensory experience. The poet uses different kinds of images to explain thoughts, feelings, emotions, incidents and scenes in poetry. Besides other types of imagery, the visual imagery is the most effective type of imagery. InUrdu poetry there are many excellent examples of visual imagery.

Zia Jalindhari is a well-known Urdu poet whose poems contain best examples of visual imagery. Due to imagery, elements in his poem spoke off the senses of the readerHis Poem creates dynamic and strong mental pictures and sensations in the mind of readers.This aspect of his poetry has been discussed and analyzed in this article.

انسانی ذہن اور حاشیہ خیال میں بننے والی لفظی تصویریں امیج کہلاتی ہیں۔ اس عمل کے دوران میں نت نئے موضوعات وخیالات، نوع بہ نوع تجربات ومشاہدات اور جذبات وکیفیات لفظی پیکروں میں ڈھلتے رہتے ہیں جسے امیجری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صورت پذیری کا یہ عمل نہ صرف روایت وجدت کے بندھن کو استحکام بخشتا، بلکہ اقدار حیات کو بھی ایک نئی معنویت سے ہمکنار کرتا ہے اور داخل وخارج کے مابین ایک مضبوط تعلق کو بھی استوار کرتا ہے۔ گویا یہ ایک ایسا فاضلانہ حربہ ہے جو ذہنی واردات کو مختلف صورتوں میں متشکل کر کے فہم وادراک کی باریافت کا وسیلہ ٹھہرتا ہے اور احساسات حیات کی باز آفرینی کا ذریعہ بنتا ہے۔

امیجری کی مختلف صورتوں میں اپنے وسیع تر دائرہ کار کی نسبت باصرہ کی کارفرمائی تمثالوں

☆ پی ایچ ڈی سکالر ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

☆☆ صدر شعبہ اردو ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

کی تخلیق میں کلیدی کردار کی حامل ہے۔ علم نفسیات کا مطالعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انسان کے کائناتی مشاہدہ اور تجربات کی باز آفرینی کی بنیاد اس کی بصری حس کی مرہون منت ہے۔ چونکہ اشیاء وماحول اور مظاہر حیات کے نقوش بصری زاویوں سے گزر کر انسانی حافظہ پر مرتسم ہوتے ہیں اسی لیے قوت باصرہ متخیلہ کی انگیخت کے باعث نوع نہ نوع پیکر تراش کر زندگی کی تعبیر و تشریح کا وظیفہ سرانجام دیتی رہتی ہے۔ تخیل کی کارفرمائی ان رنگارنگ تصاویر کو ایک خاص ترتیب بخش کر بیانیہ صورت میں ڈھالتی ہے اور حسِ باصرہ کے تحرک اور فعالیت سے رنگارنگ پیکر وجود پا کر دیگر حسیات پر حس باصرہ کے تفوق کو ظاہر کرتے رہتے ہیں۔

تمثالوں کی تخلیق میں حسِ باصرہ کی فعالیت کے حوالے سے عنوان چشتی یوں رقم طراز ہیں:

> ''چونکہ قوت بصارت سے ہم ہر چیز کو دیکھ سکتے ہیں اور اس کے پیکر کو زیادہ بہتر صورت میں ذہن میں محفوظ کر سکتے ہیں اس لیے سب سے زیادہ طاقت ور بصری پیکر ہوتا ہے۔''(۱)

درج بالا بیان حواس خمسہ میں حسِ باصرہ کے تحرک، فعالیت اور انفرادیت، پر دلالت کرتا ہے کہ مناظر فطرت اور مظاہر حیات کے نقوش بصری حس کے روشن تر زاویوں کے توسط سے سطح تخیل پر ابھرتے رہتے ہیں اور زندگی کی معنوی تفسیرات کی صورت میں شاعرانہ تجربات کی بازیافت کا حوالہ ٹھہرتے ہیں۔

شاعرانہ تمثال گری کے حوالے سے ضیاء جالندھری کا نام بھی اردو شعری روایت کا ایک اہم اور معتبر حوالہ ہے۔ ان کے ہاں مناظر فطرت اور زندگی کے مظاہر کی تصویر کشی کا بصری پہلو نمایاں تر ہے۔ وہ خارجی زندگی کے جلو میں پرورش پانے والے تجربات کو داخلی مشاہدات سے اس طرح ہم آمیخت کرتے ہیں کہ حیات و کائنات کے مختلف امکانات تمثالی مرقعوں میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں اور ان کی تیز نگاہی و بیدار تخیل کی گرفت سے کوئی پہلو بھی اوجھل نہیں ہو پاتا۔ یوں زندگی اور اس کے مظاہر کی متحرک و ساکن تصاویر مرتب ہوتی رہتی ہیں اور قاری و سامع اس مسحور کن فضا میں ایک حیرت انگیز مسرت و بہجت سے دوچار ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ضیاء جالندھری کے ہاں زندگی اور اس کے متعلقات کی مختلف تمثالی صورتوں اور موضوعات کے حوالے سے ڈاکٹر محسن عباس لکھتے ہیں۔

''وہ جدید انسانی زندگی کی بدلتی ہوئی صورتوں اور اس سے پیدا ہونے والے کرب کو اپنی نظموں کا موضوع بناتے ہیں۔ ان کی نظموں میں ایک طرف فطرت کا بے پناہ حسن موجود ہے۔ تو دوسری طرف وہ جدید زندگی میں قدروں کے انتشار کو گرفت میں لینے کی کوشش کرتے ہیں۔''(۲)

ضیاء جالندھری کا زرخیز تخیل جب وسعت آشنا ہوتا ہے تو ان کے ذہن میں سیاسی، سماجی اور تاریخی حوالوں کا ایک تانتا بندھ جاتا ہے۔ وہ ان حوالوں کو پھر اپنے افکار و نظریات اور تجربات و مشاہدات کی ترسیل کا ذریعہ بناتے ہیں اور ان کے ہاں صورت پذیر ہونے والی تمثالیں جمالیاتی، نفسیاتی اور فکری آب و تاب کے ساتھ ساتھ تاریخی، سماجی، مذہبی اور تہذیبی اقدار و روایات کی جھلک پیش کرتی ہیں۔

ضیاء جالندھری کی شاعری زندگی اور اس کے مظاہر کی ساکن و متحرک تصویروں کا ایک ایسا البم ہے جہاں ماحول، منظر اور صورت وِواقعہ کے ساتھ ساتھ انکے جذبات و احساسات بھی تجسیمی صورتوں میں ڈھلے ہوئے ملتے ہیں۔ ایک نظم کے اقتباس میں زندگی اور اس کے متعلقات سے تراشی گئی تمثالوں میں اپنی ذات کے اثبات کا تصور اس قدر دلفریب ہے کہ لفظ خود بولتے اور مو قلم کا کام دیتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

جو شاخ میں پھول کی نمو ہے
جو بحر میں موج کی تڑپ ہے
پرِ کبوتر میں تابِ پرواز ہے
ستاروں میں روشنی ہے
میں اپنے ہونے کے سب حوالوں میں رونما ہوں
میں جا بجا صورتِ صبا ہوں
غزالِ خوش چشم کی کلیلوں میں کھیلتا ہے
ہمکتے بچے کی مسکراہٹ ہوں
پیرِ شب خیز کی دعا ہوں
میں مہر میں، مہتاب میں ہوں
یہ کیسی چاہت ہے جس سے میں

ایک مستقل اضطراب میں ہوں (۳)

بنیادی طور پر ضیاء جالندھری اس نظمیہ اقتباس میں اپنی ذات کے اثبات اور اضطراب حیات کے بیان میں زندگی اور اس کے تلازمات سے بصری تصویریں ابھاری گئی ہے۔

شاخ پر پھول اور بحر میں تڑپتی موج ایسی بصری تمثالیں ہیں جن میں زندگی کا متحرک پن نمایاں تر ہے۔ اس منظر میں کبوتر کا پر بھی بصری سطح کی متحرک تمثال ہے اور ستاروں کی روشنی آرائشی تمثال کی صورت میں باصرہ کی سطح پر جلوہ گر ہو کر قاری کی بصارتوں کو مرتکز کرنے کا سبب ہے۔ یہ سارے تلازمات مل کر شاعر کی ذات کے اثبات پر دلالت کرتے ہوئے ایک مجموعی تمثال میں متشکل ہوتے ہیں۔ اگلی سطور میں شاعر نے دلکش تراکیب سے ایسی پر تاثیر بصری تمثالیں تراشی ہیں کہ بصارتوں کے روشن راویے ان میں طراوت اور تازگی کے احساس کو اجاگر کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ صورتِ صباء کی دلکش ترکیب نہ صرف بصری حس کو مرتعش کرتی ہے، بلکہ تجرید کی یہ تجسیم شاعرانہ تخیل کی شادابی پر بھی دلالت کرتی ہے۔ غزلِ خوش چشم کی نادر ترکیب اور اس میں کھلنے کا منظر باصرہ کی سطح پر ایک ایسے نقش کی جلوہ گری سے عبارت ہے جہاں حسن کے تمام تر زاویے اور جمال آفرینی کی تمام تر صورتیں سمٹی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ مابعد مصرع میں "پیر شب خیز" کی منفرد ترکیب ایک پورے منظر کو باصرہ کی سطح پر نقش کرنے کا باعث ہے جہاں شاعر کی ذات کا اثبات استنادی کیفیت میں ڈھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اگلے مصرعوں میں مہر و ماہ کے خوبصورت تلازمے بصارتوں کو روشن کرنے کا سبب بنتے ہوئے محبت کی اضطرابی کیفیت کی تصویر نقش کرتے ہیں۔ بصری سطح پر صورت پذیر ہونے والی یہ تمثالیں اپنی تمام تر نیرنگیوں کے ساتھ قاری و سامع کے حواس پر اثر انداز ہوتی ہیں اور اپنی سحر طرازی کے باعث اس کی توجہ مرتکز کرنے کا سبب بنتی ہیں۔

ضیاء جالندھری کے ہاں احساسات کی آنچ اور سوچ کے مختلف زاویے بصری سطح پر پر تاثیر پیکروں کی تشکیل کا سبب بنتے ہیں۔ وہ بیان کے نت نئے قرینوں سے متنوع موضوعات کو اس مہارت سے شعری تمثالوں میں ڈھالتے ہیں کہ ان کی تمثالوں پر آمد کی بجائے آوارد کا گمان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شعری پیکر گہری معنویت اور بیان کی تاثیر سے مملو دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرز احساس کا غلبہ ذیل کی نظم کے مصرعوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مگر یہ آنسو لپکتے لمحوں کے آئینے ہیں

ان آنسوؤں میں
ہر آرزو، ہر خیال، ہر یاد پھر سے آباد ہو گئی ہے
دمکتے آنسو، یہ قمقمے جن سے شب کی تاریکیاں اُجالے
ان آئینہ رنگ آنسوؤں سے نظر ملاؤ
مجھے نہ دیکھو
کہ میری آنکھوں میں تو کوئی آئینہ نہیں ہے(۴)

زندگی کے احساس سے بھرپور یہ ان پیکروں میں ضیاء جالندھری نے متخیّلہ کی رنگ آمیزی سے تجریدی کیفیات کو مجسم کیا ہے۔ آنسوؤں کو لپکتے لمحوں کے آئینے سے تعبیر کر کے ان میں داخلی آنچ کی حرارت سے ایسی تاثیر سمو دی گئی ہے کہ قاری بصری سطح کی اس علامتی تمثال میں یادوں، آرزؤں اور خیالات کا ایک نیا جہاں آباد ہوتے ہوئے دیکھتا ہے۔ شاعر کی چشم تخیل نے قاری کی بصارتوں پر یہ منظر اس قدر روشن کر کے پیش کیا ہے کہ اسے شب کی تاریکیاں بھی آنسوؤں کے قمقموں کی جھلملاہٹ میں منورو تاباں دکھائی دیتی ہیں۔ تجرید کی تجسیم کا یہ انداز اپنی نوعیت کا ایک منفرد تجربہ معلوم ہوتا ہے۔"آئینہ رنگ آنسو" کی خوبصورت ترکیب باصرہ کی سطح پر شاعر کے تشبیہاتی انداز بیان کا کمال معلوم ہوتی ہے اور آنکھوں میں آئینہ نہ ہونا شاعرانہ اضطراب اور داخلی کرب کی کامل تصویر گری پر مبنی امیج ہے۔ شاعر کے جذبہ، خیال اور فکری گہری کی آمیزش سے تشکیل پانے والے یہ مرئی بصری پیکر اسکی اسلوبیاتی جدت پر دلالت کرنے کے ساتھ ساتھ معنوی تہہ داری اور فہم وادراک کے نت نئے وسیلوں کی دریافت کا بھی سبب ہیں۔

ایک اور نظم کی سطور میں زندگی کی نموپذیری سے حسن کا احساس یوں نمایاں کیا گیا ہے۔

بھیگے ہوئے شاخ پر شگوفے
خنداں خنداں، گہر بداماں
بھیگی ہوئی پتیاں زمیں پر
بجھتی ہوئی حسرتیں پشیماں
بھیگی ہوئی میری دونوں آنکھیں
افراطِ نشاط و غم پہ حیراں(۵)

ان سطور میں منظری بیان کے توسط سے حس باصرہ کو زیادہ فعال اور متحرک دکھایا گیا ہے۔ پہلے شعر میں خارجی منظر کی تصویر کشی میں بارش کے بعد کا منظر بیانیہ قالب میں ڈھلا ہوا ہے جہاں

شاخوں پر شگوفے بھیگے ہوئے اور پتیاں موتی نما قطروں سے نم آلود دکھائی گئی ہیں۔ جیسے ان پر ایک نئی زندگی کا نزول ہو گیا ہو اور یہ خوشی سے جاموں میں پھولے نہیں سما رہیں۔ بصری سطح کی یہ تصویریں قاری کی نگاہوں کو ایک عجب طراوت اور تازگی بخشنے کا باعث ہیں۔ اگلا منظر زمین پر گری ہوئی پتیوں کی تصاویر پر مبنی ہے جہاں فنا کا تصور اور زندگی کے معانی بدلنے کے نقوش واضح تر ہیں کہ بارش ان پتیوں اور شاخ پر کھلے شگوفوں دونوں پر ہی برسی ہے مگر یہ نمی ان گری پڑی پتیوں کے لیے اب بے معنی ہے جب کہ شگوفوں اور شاخوں پر موجود پتیوں کے لیے زندگی کی رمق سے بھرپور ہے ۔ یہاں بارش آنسوؤں کا استعارہ یا بے نیازی کا اشارہ ہے ۔ تیسرے منظر میں شاعر کی نم آلود آنکھوں کا بصری امیج نشاط و غم پر حیرانی کی تصویر لیے ہوئے تکمیلی مرحلے کی طرف بڑھتا ہے جہاں زندگی کے متضاد رویوں پر شاعر اور قاری دونوں کے احساسات کی انگیخت اس پورے منظر میں سرائیت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ زندگی کے حقائق کی یہ کامل تصویر کشی شاعرانہ انداز بیاں کا معجزہ معلوم ہوتی ہے۔

ضیاء جالندھری زندگی سے بھرپور احساسات کے شاعر ہیں۔ انھوں نے اپنی متخیلہ کی بلند پروازی سے داخلی و خارجی کیفیات کو ایک الگ رنگ بخشا ہے ۔ ان کا انداز بیاں فرسودہ اور پامال موضوعات کو بھی زندگی اور تازگی کی ایک نئی لہر سے آشنا کرتے ہوئے طراوت کا احساس عطا کرتا ہے اور حسیاتی سطح پر ان کی تمثالوں میں جمالیات کا ترشح اس خوبصورتی سے ہوتا ہے کہ لفظ لفظ میں مخفی معنیاتی تناظرات قاری پر منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں۔

ذیل کے مصرعوں میں اس احساس کی باز آفرینی ملاحظہ کی جا سکتی ہے:

ایک شوخی بھری دوشیزۂ بلّور جمال
جس کے ہونٹوں پہ ہے کلیوں کے تبسم کا نکھار
سمیگوں رخ سے اٹھائے ہوئے شب رنگ نقاب
تیز رفتار، اڑائی ہوئی کہرے کا غبار
افق شرق سے اٹھلاتی ہوئی آتی ہے (۹)

اس سطور میں شاعر نے صبح کے منظر کو اس مہارت سے نقش کیا ہے کہ لفظ لفظ تصویری صورت میں بولتا ہوا اور تجسیم کاری کا فنکارانہ اظہار امیجری کے حسن کو اجالتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ پہلے مصرعے میں صبح کو "شوخی بھری دوشیزۂ بلور جمال" کی تجسیم سے باصرہ کی سطح پر معنوی رنگ

میں ڈھالا گیا ہے۔ یہاں تجرید کی تجسیم میں صبح کے ہونٹوں پر کلیوں کے تبسم کے نکھار کی تصویر جمالیاتی احساس کی انگیخت کا باعث بنی ہے۔ اگلے مصرعوں میں شاعر نے صنعت تضاد کے استعمال سے ''سیمگوں رخ'' سے صبح کے شب رنگ نقاب کو اٹھانے کی تجسیم سے باصرہ کو تحرک آشنا کیا ہے اور اس رنگ کو چوکھا کرتے ہوئے اگلے مصرعوں میں اس دوشیزہ کے حد و خال کو مزید نکھار کر پیش کیا ہے جہاں مشرق کی طرف سے اٹھلا اٹھلا کر چلتی ہوئی نازوادا سے یہ دوشیزہ اپنی برق رفتاری کے باعث کہرے کے غبار کو اڑاتے ہوئے متحرک بصری تمثال میں متشکل ہو گئی ہے۔ اس نظم کے اگلے مصرعوں میں یہ کیفیت اپنے شوخ رنگوں کے ساتھ باصرہ کی سطح پر دلکش تمثالوں میں یوں جلوہ گر ہے۔

مضمحل چہرے کی زردی میں ہے رخصت کا پیام
سرمگیں آنکھوں پہ جھکنے کو ہیں لمبی پلکیں
قرمزیں دھاریاں چھن چھن کے سیہ زلفوں سے
جذب ہو جاتی ہیں دہکے ہوئے رخساروں میں
زلفیں بکھری ہوئی شانوں سے ڈھلک آئی ہیں(۷)

ان سطور میں ضیاء جالندھری نے شاعرانہ سلیقے سے صبح کے منظر کو اپنے تمثالی اسلوب میں ڈھال کر معانی و مفاہیم کی ایک نئی جہت سے ہمکنار کیا ہے۔ مضمحل چہرے پر چھائی ہوئی زردی فنا کے تصور کا ایک بلیغ امیج ہے۔ جہاں صبح کی آمد اور رات کی رخصتی کو ایک دوشیزہ کے روپ میں پیش کیا گیا ہے مگر اب صبح کے بعد یہ شام کا منظر شاید صبح کے لیے پیام فنا لے کر آ گیا ہے اور اب دوشیزہ صبح شام کی آمد پر اذنِ رخصتی طلب کر رہی ہے۔ یہاں اس کی رعایت سرمگیں آنکھیں اور نیند سے بوجھل پلکیں جو جھکنے کو ہیں، نظم میں داخلی شہادت کے طور پر عمدہ باصراتی تمثالوں کی صورت میں موجود ہے۔ یہاں شاعرانہ بیان اپنے ملائم آہنگ کے ساتھ گداز کی طرف مائل دکھائی دیتا ہے اور قرمزی دھاریوں کا سیاہ زلفوں سے چھن چھن کر آنا ایک ایسی جمالیاتی و رومانوی فضا کا تصویری انداز ہے جہاں چند لمحوں کے لیے فنا کا تصور ذہن سے محو ہونے لگتا ہے۔ اگلے مصرعوں میں پریشان زلفوں کا شانوں سے ڈھلکنا اور دہکے رخساروں میں قرمزی دھاریوں کے انجذاب کی تصویر ایسے رومانی تاثیر سے مملو ہے جہاں تجرید کی تجسیم میں شاعرانہ ہنرکاری اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی حسینہ یا دلربا واقعی قاری و سامع کو اس منظر میں تنہا نہیں چھوڑ کر جا رہی ہو۔

یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ یہ سطور اپنے دلکش اور تمثالی تاثرات کے باعث مناظرِ فطرت اور فطرتِ انسانی کے مابین ایک نئے ربط اور اٹوٹ رشتے کی بازیافت ہے جہاں شاعر کا تمثالی اسلوب موضوع کی بلند سطح کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح کی کچھ تصویری جھلکیاں ضیاء جالندھری کی ایک اور نظم میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں:

کراچی کسی دیو قد کیکڑے کی طرح
سمندر کے ساحل پہ پاؤں پسارے پڑا ہے
نسیں اسکی فولاد و آہن بدن

ریت سیمنٹ پتھر
بسیں، ٹیکسیاں، کاریں، رکشا،
رگوں میں لہو کی بجائے رواں
جسم پر جابجا داغ دلدل نما
جہاں عنکبوت اپنے تاروں
سے بنتے ہیں بنکوں کے جال(۸)

منقولہ نظم کے یہ مصرعے ایک مہیب اور جابرانہ تصور کے تصویری منظر پر مبنی ہیں جہاں انسانی بے حسی، بے مروتی اور مشینی حصار میں مقید انسان زندگی پر تہذیبی و ثقافتی اقدار نوحہ کناں دکھائی دیتی ہیں۔ ابتدائی سطور میں ایک غیر جمالیاتی اور مکروہ تصویر سمندر کے کنارے آباد شہر کراچی کی کیکڑے سے تشبیہ کی صورت میں باصرہ کو مرتعش کرتی ہے جہاں ریت، سیمنٹ اور پتھر سے بنا ہوا، آہنی نسوں والا بدن مشینی حصار میں قید کسی کیکڑے کی طرح پاؤں پسارے پڑا ہے۔ تجرید کی یہ تجسیم حدِ کمال کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ جہاں شاعر نے لہو کے بجائے اس ٹھوس بدن میں بسوں، ٹیکسیوں، کاروں، اور رکشاؤں کو مثلِ خون دوڑتے ہوئے دکھایا ہے جو اس بدہیئتی اور کراہت آمیز منظر کی کامل نقش گری ہے۔ آخری سطور میں داغ کی دلدل سے تشبیہ میں ساحلی علاقے کی منظر کشی جبکہ عنکبوت کے استعارے سے مالیاتی اداروں اور بین الاقوامی کمپنیوں کے جال اور ان کے پس پردہ ان کے مذموم مقاصد و محرکات کی تصویریں نمایاں تر ہیں جہاں نسل آدم کی تخلیقی کارکردگی کو ہڑپ کر لیا گیا ہے اور نچلے طبقے کے استحصال میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔ تخلیقی لحاظ سے اس نظم میں بننے والی تمثالیں ایک نامیاتی کل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جہاں شاعرانہ انداز فکر

ان تمثالوں کے عقب میں نئے نئے مفاہیم کا سراغ لگاتا اور دم توڑتی انسانیت پر نوحہ کناں نظر آتا ہے۔ایک اور نظم کی سطور میں ضیاء جالندھری نے اپنے تمثالی اسلوب سے بصری حس کو یوں مرتعش کیا ہے۔

دن ڈھلا جاتا ہے، ڈھل جائے گا، کھو جائے گا
ریگ اٹی درز سے در آئی ہے اک زرد کرن
دیکھ کر میز کو، دیوار کو، الماری کو
فائلوں، کاغذوں، بکھری ہوئی تحریروں کو
پھر اسی درز سے گھبرا کے نکل جائے گی
اور باہر وہ بھلی دھوپ، سنہری کرنیں
جو کبھی ابر کے آغوش میں چھپ جاتی ہے
کبھی پیڑوں کے خنک سایوں میں لہراتی ہیں[۹]

نظم کی ان لائنوں میں ٹائپسٹ کے دفتر میں شام کے ایک منظر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ابتدائی مصرعوں میں دن ڈھلنے کا منظر باصرہ کی سطح پر اپنی جلوہ گری سے صوری تاثر ابھارتا ہے جہاں دیوار کی ایک دراڑ سے سورج کی ایک زرد کرن اندر داخل ہوتی ہوئی باصرہ پر نقش ہوتی ہے۔ مگر اگلے ہی لمحے دفتر کے حبس زدہ ماحول میں فائلوں، کاغذوں، میز، دیواروں، الماریوں اور جابجا بکھری تحریروں کے اس منظر میں سے گھبرا کر نکل جاتی ہے۔ یہاں باصرہ کی سطح پر شاعر کا تمثیلی انداز ایک الگ روپ دھارتا ہوا معلوم ہوتا ہے جہاں کرن کی تجسیم سے اگلے منظر نامے میں واضح تبدیلی دکھا کر رنگارنگ خارجی منظر کے نقوش ابھارے گئے ہیں۔ باہر کا یہ منظر انتہائی خوشگوار، اجلا اور کشادہ منظر نامہ ہے۔ جہاں سنہری کرنوں والی دھوپ جمالیاتی احساس کو اجاگر کرتے ہوئے بادلوں اور درختوں کے سایوں میں آنکھ مچولی کھیلتی نظر آتی ہے۔ شاعر نے اپنی متخیلہ سے پیش منظر اور پس منظر میں دلکش رومانوی رنگ بھر کر خوبصورت بصری تمثالیں تخلیق کی ہیں جو ان کی تخلیقی مہارت پر دلالت کرتی ہیں۔

بطور ایک تمثال گر شاعر ضیاء جالندھری نے انسانی زندگی، تہذیب اور ماحول و معاشرت کے کامل نقوش کو اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔ ان کی تمثالیں مقامیت اور ارضیت کے دلکش حوالوں سے اس طرح مزین ہیں کہ معنوی ارتفاع اور فنی عظمت کے احساس کے ساتھ ساتھ ان کی

تمثالیں تہذیبی و معاشرتی اقدار کی بازیافت کا حوالہ بن جاتی ہیں۔ اس حوالے سے کوثر مظہری لکھتے ہیں۔

''ضیاء جالندھری کی شاعری میں ماضی اور تہذیبی اقدار کی بازیافت کی راہیں موجود ہیں۔''(۱۰)

ضیاء جالندھری نے مختلف موضوعات کو خیالات انسانی کے تناظر میں دیکھ کر ان کی متحرک و جامد تصاویر شعری صورت میں پیش کی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی مصورانہ شاعری میں حیات و کائنات کے مسائل کا ادراک، مناظر فطرت کا بیان اور تہذیبی و تمدنی حوالے ان کی فلسفیانہ سوچ کے تناظر میں جدید اساس اور لفظیات سے ہم آہنگ ہوتا دکھائی دیتا ہے اور ان کے بصری پیکر معنی و مفاہیم کے نت نئے زاویوں کو روشن کرتے ہوئے امیجری کی روایت میں ایک خوش کن اضافہ معلوم ہوتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عنوان چشتی،ڈاکٹر،''اردو شاعری میں جدیدیت کی روایت''، دہلی،۱۹۷۷ء ص نمبر ۲۵۲

۲۔ محسن عباس،ڈاکٹر،''وزیر آغا کی نظم نگاری''،مثال پبلشرز،فیصل آباد،۲۰۰۴ء ص،۷۵

۳۔ ضیاء جالندھری،''سرِ شام'' سے پسِ حرف تک"،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۱۹۹۳ء ص،۳۲۱

۴۔ ایضاً،ص ۴۴

۵۔ ایضاً،ص۱۹

۶۔ ایضاً،ص ۱۰

۷۔ ایضاً،ص ۱۲

۸۔ ایضاً،ص ۲۴۰

۹۔ ایضاً،ص ۱۶۰

۱۰۔ کوثر مظہری،''جدید نظم: حالی سے میراجی تک''،الوقار پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۵ء ص ۴۲۲